مہر عبدالحق کے لسانی نظریات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ
A Research and Critical Review of Maher Abdul Haq's Linguistic Theories

صفیہ بی بی[i] ڈاکٹر محمد شکیل پتافی[ii]

Abstract:

In view of the views of various experts and linguists regarding the birth of Urdu, Dr. Maher Abdul Haq has made Multan the centre of civilization of the Indus Valley and has described the Multani language as the result of the combination of Arabic, Persian, Turkish and Balochi languages. Most of the values of Urdu and Multani are common because they grew up in almost the same environment and were influenced by the same factors. They have several layers of linguistic and lexical similarities that date back to the pre-Aryan period. Dr. Maher Abdul Haq has discussed in detail about the Multani language and its relationship with Urdu. According to which he has stated that Urdu and Multani language are similar according to the linguistic scale, Urdu is very close to Multani language in its syntax. In both the nouns and verbs end with an alif, both languages share a common plural form. Apart from this, the background of Multani language, principles and rules, vocabulary of both languages, rules, compound functions, literature and poetry have been highlighted.

Keywords: *Linguistics, Mahr Abdul Haq, Indus Valley, Urdu, Grammer, Multani Language.*

اُردو کی پیدائش کے حوالے سے ڈاکٹر مہر عبد الحق نے وادی سندھ کی تہذیب کا مرکز ملتان کو ٹھہرایا ہے اور ملتانی زبان کو عربی، فارسی، ترکی اور بلوچی زبانوں کے میلاپ کا نتیجہ بتایا ہے۔ اُردو اور ملتانی کی بیشتر اقدار مشترک ہیں کیوں کہ یہ قریب قریب ایک ہی ماحول میں پروان چڑھی ہیں اور ایک ہی طرح کے عوامل سے متاثر ہوئی ہیں۔ ان میں لسانی و لغوی مماثلت کی کئی تہیں ہیں جو آریاؤں سے قبل کے ادوار کی ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ملتانی زبان اور اُس کا اُردو سے تعلق میں اس حوالے سے تفصیلی بحث کی ہے۔ جس کے تحت انھوں نے بیان کیا ہے کہ اُردو اور ملتانی زبان لسانی پیمانے کے مطابق باہم مشترک ہیں، اُردو اپنی صرف و نحو میں ملتانی زبان کے بہت قریب ہے۔ دونوں میں اسمائے افعال کے آخر میں الف آتا ہے، دونوں زبانوں میں جمع کا طریقہ مشترک ہے۔ اس کے علاوہ ملتانی زبان کا پس منظر، اصول و قواعد، ذخیرہ الفاظ، دونوں زبانوں کے تذکیر و تانیث، قواعد، افعال مرکبہ، ادب اور شاعری پر روشنی ڈالی ہے۔

کلیدی الفاظ: لسانیات، مہر عبدالحق، وادیٔ سندھ، اُردو، قواعد، ملتانی زبان۔

دنیا کی کوئی بھی زبان اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اُس زبان کی جڑت مٹی کے ساتھ نہ ہو۔ تہذیب، ثقافت، معاشرت اور معاشرتی اقدار اور رویوں کا اظہار ہی کسی زبان کو معتبر بناتا ہے۔ انقلاباتِ زمانہ معاشروں کی تہذیبی اساس اور رویوں کی بنیادیں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ایسے میں زبان ایک مستقل قدر کے طور پر موجود رہتی ہے اور یہ زبان منقلب رویوں اور متبادل تہذیبی اقدار کو اپنے اندر سمو لیا کرتی ہے۔ اُردو برصغیر کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے اس خطے کے باسی جو مختلف زبانیں بولتے اور مختلف ثقافتی قدروں کے حامل ہیں کسی نہ کسی سطح پر ایک تہذیب اور ثقافتی قدروں کے حامل ہیں۔ یہ مسلمہ

---

[i] اسکالر پی ایچ ڈی، شعبہ اردو، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس، ملتان کیمپس۔

[ii] صدر نشین، شعبہ اردو، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس، ملتان کیمپس (Corresponding Author)

حقیقت ہے کہ اُردو اور اُن مقامی زبانوں کے درمیان افعال، مصادر اور لفظیات کی سطح پر اشتراک موجود ہیں۔ یہ اشتراک ہندی الفاظ، عربی، فارسی، پنجابی اور سرائیکی کے الفاظ اور اُن کے اشتراک کی بدولت ہیں۔ تاہم جس خطے میں آج اُردو قومی زبان کی حیثیت سے جانی جاتی ہے، اُس خطے کے تہذیبی اور لسانی رویے ایک خاص حد تک ہی اُردو زبان سے جڑت رکھتے ہیں۔ اس خطے میں بولی جانے والی مقامی پاکستانی زبانوں اور اُردو زبان کے درمیان جو ربط اور ہم آہنگی موجود ہے وہ اُردو زبان کو نئی شناخت مہیا کرتی ہے۔

اسی وجہ سے اُردو کی پیدائش کے حوالے سے مختلف ماہرینِ لسانیات نے علاقائی سطح پر مقامی زبانوں کے اشتراک کی بدولت اپنے اپنے نظریات پیش کیے۔ اُردو زبان کی بنیاد کے بارے میں متعدد نظریات سامنے آئے جن میں سے کچھ ماہرین اُردو کا تعلق عربی اور فارسی سے جوڑتے ہیں:

> کسی بھی زبان کی بنیاد باہر کی زبان نہیں ہو سکتی جو زبان جس ملک میں پیدا ہوئی ہو، اُس کی بنیاد اُس ملک کی کوئی زبان اور مقامی بولیاں ہو سکتی ہیں چوں کہ اُردو کا مولد و منشاء برعظیم پاک و ہند ہے اسی لیے لا محالہ اُردو کی بنیاد سنسکرت اور دوسری پراکرتیں ہو سکتی ہیں۔[۱]

ہر زبان کا دیگر زبانوں سے قریبی تعلق ہونے کے باعث متعدد الفاظ مستعار لیے جاتے ہیں اس طرح زبانوں میں اشتراک کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ قومی زبان اُردو کے علاوہ دیگر پاکستانی زبانیں بظاہر الگ الگ ہونے کے باوجود مربوط اور یک رنگ نظر آتی ہیں۔ اُردو نے سندھی، سرائیکی، پنجابی، پشتو، بلوچی کے بیشتر اثرات قبول کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو پاکستان کی دوسری زبانوں کے قواعد سے ہم آہنگ اور ذخیرہ الفاظ میں اشتراک رکھتی ہے:

> پاکستان کے پانچ بڑے لسانی علاقے ہیں، پنجابی، پشتو، سندھی، ملتانی، بلوچی۔ یہ ساری زبانیں اسی ہند آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جس سے اُردو کا تعلق ہے۔[۲]

پاکستانی زبانوں میں بلوچی، پشتو، پنجابی، سندھی، سرائیکی، کشمیری کے نام خاص طور پر شامل کیے جا سکتے ہیں۔ اُردو اور بلوچی میں قریبی تعلق کا اظہار اس بات کا غماز کہ دونوں زبانوں کے الفاظ میں کافی اشتراک پایا جاتا ہے، ان زبانوں کو باہم ملنے جلنے اور ایک دوسرے سے قریب تر آنے کا موقع ملا ہے:

> اہلِ بلوچستان کے لیے اُردو زبان کی جانب مائل ہونا صرف اُس زبان کے بنیادی مزاج ہی کے باعث آسان نہ تھا۔ بلکہ خود اہلِ بلوچستان کا مزاج بھی لسانی تغیر کے لیے.بر صغیر میں سب سے زیادہ موضوع تھا۔[۳]

.براہوی زبان کے حروف تہجی میں بھی اُردو زبان میں پائے جانے والے تمام حروف موجود ہیں لیکن.براہوی کا مخصوص صوتیہ "ل" اُن حروف کے علاوہ ہے، اس خاص حرف کا تلفظ.براہوی اہل زبان کے علاوہ کوئی شخص ادا نہیں کر سکتا۔ آریاؤں کے بلوچستان آنے بعد زبانوں کے اشتراک سے اُردو اور.براہوی کا تعلق بھی گہرا ہوتا چلا گیا:

> تدریسی زبان ہونے کے باعث اُردو میں خاص طور پر.براہوی کو متاثر کیا ہے لیکن .براہوی اور اُردو کے قواعد صرف و نحو میں کافی مماثلت نظر آتی ہے۔ قدیم اُردو میں صفت کے ساتھ لاحقہ "ک" لگایا جاتا تھا یہ قاعدہ.براہوی میں اب تک مستعمل ہے۔ اُردو میں واحد غیب کے لیے "وہ" اور.براہوی میں "ہو" استعمال ہوتا ہے۔ اُردو "ہے" اور.براہوی "اے" کا ماخذ ایک ہے۔[۴]

پشتو زبان کے حروف تہجی بھی اُردو سے ملتے جلتے ہیں کچھ مخصوص حروف اُردو کی نسبت بھی موجود ہیں، پشتو کے اکثر حروف تو اُردو کی طرح لکھے جاتے ہیں۔ جب کہ کچھ حروف لکھنے میں مختلف ہیں، جن حروف میں اُردو مستعمل ہے مثلاً "ٹ، ڈ، ڑ" تو یہ علامت میں "ط" کی بجائے نیچے چھوٹا سا دائرہ چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن یہ حروف آواز کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی پشتو اور اُردو کے روابط کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "پشتو اور اُردو میں نا صرف ذخیرہ الفاظ اور تہذیبی اثرات کا بیشتر سرمایہ مشترک ہے بلکہ فارسی اثرات میں فکر و اظہار کی سطح پر دونوں زبانوں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا ہے۔"[۵]

جارج گریرسن، پروفیسر محمود شیرانی، عین الحق فرید کوٹی اور دیگر ماہرین لسانیات نے اُردو اور پنجابی زبان کے تعلق کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی کتاب پنجاب میں اُردو میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اُردو اور پنجابی دراصل بنیادی طور پر ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ ان زبانوں کے اس قدر قریب ہونے کی وجہ سے صرف و نحو کا اسلوب.بڑی حد تک ایک ہونا ہے:۔

> اُردو، پنجابی کے لسانی سانچے یکساں ہیں، ہند آریائی زبانوں کے خانوادے سے متعلق ہونے کی وجہ سے دونوں زبانوں کی صرف و نحو ایک ہے بلکہ بیشتر ذخیرہ الفاظ بھی مشترک ہیں۔[۶]

سید سلیمان ندوی نے اُردو زبان کا اصل مولد سندھ کہا ہے، پیر حسام الدین راشدی بھی اس نظریے کی تائید کرتے ہیں۔ اس نظریے کی روشنی میں مسلمانوں کے سب سے پہلے سندھ پہنچنے، عربی و فارسی بولنے والے تاجروں کا سندھ کی بندرگاہوں سے گزر کر آنے، سندھ اور ملتان کی مقامی بولیوں سے عربی اور فارسی کا میل جول بڑھنے، سندھ سے ملتان، لاہور سے دہلی سے آمد و رفت کے باعث اُردو کا ہیولیٰ سندھی، ملتانی پھر پنجابی اور آخر میں دہلوی زبان کے اختلاط سے وجود میں آیا:

> آج اُردو دنیا کی تسلیم شدہ اہم زبان ہے لیکن ابھی تک یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے کس زمانے میں اور کس زمین پر جنم لیا۔ اس سلسلے میں اُردو کے محققین نے جو خاص نظریے پیش کیے؛ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُردو زبان کا اصل مولد سندھ ہے۔[۷]

اسی طرح ڈاکٹر مہر عبدالحق نے وادی سندھ کی تہذیب کا مرکز ملتان کو ٹھہرایا ہے اور ملتانی زبان کو عربی، فارسی، ترکی اور بلوچی زبانوں کے ملاپ کا نتیجہ بتایا ہے۔ اُردو اور ملتانی کی بیشتر اقدار مشترک ہیں کیوں کہ یہ قریب قریب ایک ہی ماحول میں پروان چڑھی ہیں اور ایک ہی طرح کے عوامل سے متاثر ہوئی ہیں۔ ان میں لسانی و لغوی مماثلت کی کئی تہیں ہیں جو آریاؤں سے قبل کے ادوار کی ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ملتانی زبان اور اُس کا اُردو سے تعلق میں اس حوالے سے تفصیلی بحث کی ہے۔ جس کے تحت انھوں نے بیان کیا ہے کہ اُردو اور ملتانی زبان لسانی پیمانے کے مطابق باہم مشترک ہیں، اُردو اپنی صرف و نحو میں ملتانی زبان کے بہت قریب ہے۔ انھوں نے اپنی تحقیق سے یہ بات ثابت کی ہے کہ ملتانی زبان جدید زبانوں میں سب سے قدیم زبان ہے اور مستقل حیثیت کی مالک ہے۔ ملتانی زبان مغربی پنجابی یا لہندا کی ایک بولی نہیں ہے، اس کا علیحدہ اپنا مقام ہے اور نہ ہی ملتانی زبان اُردو سے نکلی ہے۔

فصل اول میں ڈاکٹر مہر عبدالحق نے زبان کے حوالے سے ماہرینِ لسانیات کے نظریات کو پیش کیا ہے اور ”زبان پیدا کیوں ہوتی ہے“ پر بحث کی ہے۔ زبان کی گروہ بندی پر بحث کی گئی ہے۔ ماہرین

لسانیات نے زبان کی گروہ بندی دو طرح سے کی ہے۔ ایک لفظی اور حرفی خصوصیات کے لحاظ سے اور دوسری نسل اور تاریخی تعلقات کی بنا پر۔ یک لفظی زبانیں وہ زبانیں ہیں جن سے کوئی اور لفظ نہیں بنتے۔ چینی زبان، جڑواں زبانیں وہ ہیں جو بنیادی الفاظ کے جوڑے سے بنتی ہیں، ترکی کی زبان، اشتقاقی زبانیں وہ ہیں جن میں بنیادی لفظ یا مادہ میں الفاظ یا اجزائے الفاظ جوڑ کر نئے الفاظ بنائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً سیاسی، آریائی زبانیں۔ تحلیلی زبانیں وہ زبانیں ہیں جس میں اشتق جزو اصل لفظ میں اس طرح گھل مل جاتا ہے کہ اس کے الگ وجود کا پتا نہیں چلتا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے زبان کے ارتقائی مدارج کو جان بیزیہ کے قول سے ثابت کیا ہے:

> پہلا نوی یا ترکبی جیسے چینی Collectional or Syntactical، دوسرا جوڑنے وال طریقہ جیسے ترکی Agglutinating، تیسرا اشتقاقی یا تعریفی جیسے سنس کرت یونانی سامی Inflectional Analytical۔[۸]

السنۂ عالم کو آٹھ بڑے خاندانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، جن میں سامی، ہند چینی، دراوڑی، مونڑا، افریقہ کی بانتو، امریکی، ملایا اور ہندو یوروپی ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کا موضوع ہند یوروپی کی ایک شاخ ہند ایرانی یا ہند آریائی ہے۔

فصل دوم میں ڈاکٹر مہر عبدالحق نے آریاؤں کی آمد سے متعلق محققین کے پانچ نظریات پیش کیے ہیں۔ ہندوستان میں آریائی زبان کے داخل ہونے کی وجوہات بیان کی ہیں۔ جارج گریرسن، کے ہندوستان میں آریاؤں کی آمد سے متعلق نظریہ کے بارے میں ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں:

> جارج گریرسن، نے جو لسانی نظریہ پیش کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان میں آریاؤں کے دو گروہ آئے، ایک پہلے آیا ایک بعد میں۔ پہلا گروہ وسط ہند یعنی دو آبہ گنگ و جمن میں مقیم تھا کہ دوسرا گروہ وارد ہوا۔ اس دوسرے گروہ نے پہلے گروہ کو شمال جنوب اور جنوب مغرب کی طرف دھکیل دیا۔ اس طرح نئے آنے والے ''اندرونی آریا'' بن گئے اور دھکیل دیے جانے والے ''بیرونی آریا'' کہلائے۔ اندرونی دائرے والوں کی زبان، بیرونی دائرے والوں کی زبان سے الگ تھلگ رہی۔ یہ ویدوں اور برہمنوں کی زبان تھی جو اندرونی دائرے میں پرورش پاتی رہی گویا زبانوں کے دو گروہ گئے (۱) اندرونی دائرے کی زبانیں (۲) بیرونی دائرے کی

> زبانیں۔ ڈاکٹر سید محی الدین زور قادری کی رائے اس نظریے کے متعلق یہ ہے کہ "گریرسن اور ان کے متبعین کا یہ نظریہ زیادہ وقیع نہیں معلوم ہوتا۔ انھوں نے جس مواد سے کام لیا ہے وہ نسبتاً بعد کا ہے اور ثابت نہیں کر سکتا کہ اندرونی اور بیرونی دائرہ کی زبانیں دو جدا جدا نسلوں اور گروہوں کی پیداوار ہیں۔[9]

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ڈاکٹر زور کی گروہ بندی پر بحث کی ہے کہ ڈاکٹر زور نے شمال مغربی اور وسطی گروہ کی زبانوں میں پنجابی کو دکھایا ہے، پھر پنجابی کے دو حصے کر دیے ہیں۔ ایک پنجابی خاص اور ڈوگری، دوسرا مغربی پنجابی یا لہندا و ملتانی۔ واؤ عطف سے ظاہر ہوتا ہے کہ *لہندا* اور ملتانی الگ الگ بولیاں ہیں۔ اس تفصیل کے بعد ڈاکٹر مہر عبدالحق نے تین موضوعات پر بحث کی :

۱۔ پنجابی وسطی گروہ میں شامل ہے یا شمال مغربی گروہ میں
۲۔ *لہندا* اور ملتانی پنجابی ہی کی شاخیں ہیں یا اس سے الگ ہیں؟
۳۔ *لہندا* اور ملتانی کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟"[10]

فصل سوم میں پراکرتوں کی ماہیت بیان کی ہے، اور ساتھ ہی سنس کرت اور پراکرت کے تعلق پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مشہور پراکرتوں میں پالی، جن میں پراکرت، مہاراشٹری، سوراسینی اور مگدھی شامل ہیں۔ سنس کرت اور پراکرت کے تعلق کو ظاہر کرنے کے لیے ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں :

> بالفاظ دیگر سنس کرت ویدک عہد کی وہ پراکرت ہے جو بعد میں علمی ادبی اور مذہبی زبان کی حیثیت اختیار کر گئی۔ یہ حیثیت دوسری پراکرتیں حاصل نہ کر سکیں۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنس کرت عالموں اور پنڈتوں کی تہذیب یافتہ زبان بن گئی اور پراکرتیں عام لوگوں کی فطری بول چال کی بولیاں بنی رہیں۔ قدیم ترین ڈراموں میں یہ فرق نمایاں طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ برہمن اور بادشاہ، وزیر اور امیر سنس کرت بولتے ہوئے دکھائے گئے ہیں اور عورتیں اور عوام پراکرتیں بولتے ہوئے۔ یہ خیال کہ پراکرتیں سنس کرت سے نکلی ہیں اسی طرح غلط ہے جس طرح یہ کہنا کہ یہ سنس کرت کی بگڑی ہوئی شکل ہیں۔"[11]

فصل سوم میں پراکرتوں کی ماہیت بیان کرتے ہوئے باب کے اختتام پر نتائج پیش کیے ہیں۔ جن

سے یہ نتائج اخذ کیے گئے ہیں کہ جدید ہند آریائی زبانیں سنس کرت سے ماخوذ نہیں بلکہ یہ قدیم بولیوں سے نکلی ہیں جو شمال سے داخل ہونے والے آریا بولتے تھے۔ قدیم بولیاں یا پراکرتیں سنس کرت سے نہیں نکلیں بلکہ سنس کرت ایک قدیم زبان ہے جو ویدوں کی زبان سے بھی قدیم ہے۔

فصل چہارم میں ہند آریائی زبانوں میں پنجابی لہندا اور ملتانی کا مقام پیش کیا ہے۔ پنجابی زبان کی اصلیت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں:

> پنجابی مشرقی پنجاب کی بولی ہے اور آج اس کے مغربی ملحقہ علاقے میں لہندا کا عمل دخل ہے جو بقول گریرسن بیرونی دائرے کی زبان ہے اور سندھی، کشمیری اور سندھی کوہستان کی بولیوں سے قریبی تعلق رکھتی ہے۔ پنجابی کا تعلق گریرسن کے اندرونی دائرے کی زبانوں سے ہے۔[۱۲]

لنگوسٹک سروے آف انڈیا میں جارج گریرسن نے علاقائی بنیاد پر پنجابی زبان کی حد بندی کی ہے اس کے علاوہ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے پنجابی کی مزید گروہ بندی، سندھی کا تعلق وسطی گروہوں کی زبانوں سے تعلق، شمال مغربی گروہ کی بولیوں، لہندا کی حقیقت، پنجابی اور لہندا کا تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ جارج گریرسن کے لنگوسٹک سروے سے ۲۶ مثالیں دی ہیں۔ یہ معلوم کرنے کے لیے تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے کہ ایک زبان کا دوسری زبان پر کہاں تک اثر ہوا ہے۔ لہندا کی بولیوں کے گیارہ نمونے دے کر یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ ایک ہی زبان کی مختلف بولیاں ہیں۔ افعال و اسماء کی تعریف، ضمائر کی ساخت، حروف کا استعمال اور الفاظ کی نشست سب ایک جیسی ہے۔ علاقائی اثرات کی وجہ سے تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے، لہجے بدل جاتے ہیں اس کے علاوہ لہندا اور ملتانی کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> بخلاف اس کے ملتانی اس زبان سے بالکل مختلف ہے۔ اس میں لہندا میں جو فرق ہے وہ ضلع بہ ضلع کا تدریجی فرق نہیں اور نہ ہی یہ صرف لب و لہجہ، تلفظ یا طرز ادا تک محدود ہے بلکہ بنیادی اور اصولی فرق ہے۔[۱۳]

لہندا اور ملتانی میں تلفظ کا فرق ہے، ذخیرہ الفاظ کا فرق ہے۔ افعال و مصادر کی تعریف میں بھی اختلاف ہے۔ باب کے آخر میں نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ان اختلافات کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں زبانیں اگرچہ بہت اشتراک رکھتی ہیں۔ تاہم ہیئت کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں اور ملتانی زبان لہندا کی شاخ یا بولی نہیں، جس طرح لہندا پنجابی کی شاخ نہیں۔ لسانی اعتبار سے لہندا کا رجحان پنجابی کی طرف ہے اور ملتانی کا سندھی کی طرف۔ لہندا اور ملتانی کا اشتراک اور پنجابی اور ملتانی کا اشتراک صرف اس وجہ سے ہے کہ ایک وقت میں ملتانی سارے پنجاب پر چھا گئے۔[۱۴]

فصل پنجم میں ملتانی زبان کے جغرافیائی اور تاریخی حالات پیش کیے گئے ہیں۔ کسی بھی زبان کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس علاقے کے ذہنی، اقتصادی، معاشی اور جغرافیائی پس منظر کا جائزہ لیا جائے۔ ماہر لسانیات ملتانی زبان کو مغربی پنجابی یا لہندا کی بولی سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اپنے اس مقالے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ملتانی زبان مغربی پنجابی یا لہندا کی ایک بولی نہیں۔ ماہر لسانیات اس لیے اس بات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے کیوں کہ انھیں اس کی طرف توجہ کرنے کی کبھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس باب میں ڈاکٹر مہر عبدالحق نے موئن جو دڑو سے ملنے والی مہروں کے نقوش بھی پیش کیے ہیں اور لکھتے ہیں:

> افسوس کہ (Heiroglyphics) تصویری طریقہ تحریر کا یہ نمونہ ابھی تک پڑھا نہیں جا سکا اور جب تک ان مہروں کی عبارت پڑھی نہیں جاتی، ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کون سی زبان تھی جو آج سے تین ہزار سال پہلے وادی سندھ میں رائج تھی۔ تاہم جو نقوش ہڑپہ اور ملتانی کے قلعہ کے کھنڈرات میں سے برآمد شدہ ظروف پر کندہ ہیں، ان کے تقابلی مطالعے سے ہم نے ذیل کے چند نتائج مرتب کیے ہیں:۔
>
> ۱۔ موہن جو داڑوی خط اشاراتی زبان سے ترقی کر کے آوازوں اور ہجائی حروف کے تصویری دور میں داخل ہو چکا تھا۔
>
> ۲۔ ملتان کے قلعہ سے برآمد شدہ ٹھیکروں سے جو حروف مشاہدہ میں آئے ہیں وہ ترقی کی منزل میں موہن جو داڑوی خط سے ایک قدم آگے ہیں۔ دکن سے برآمد شدہ نشانات ملتانی نشانات سے مشابہ ہیں۔[۱۵]

قدیم قلعہ ملتان سے برآمد شدہ ٹھیکریوں کے نقوش دکن کے چند نشانات سے ملتے جلتے ہیں۔ اس

سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک خاص تہذیب وادی سندھ سے چل کر دکن پہنچی۔ اس باب میں مسلمانوں کی آمد کے وقت کی تاریخ اور جغرافیائی شواہد بیان کرکے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ملتانی زبان کا علاقہ شروع سے انفرادی حیثیت رکھتا تھا۔ ۱۱۱ ہجری کو لسانی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں:

> لسانی تاریخ میں ۱۱۱ھ کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ اس وقت نہ صرف ملتان کی ریاست زیریں سندھ سے الگ ہو گئی بلکہ ملتانی زبان سندھی زبان سے علیحدہ ہو گئی اور آزادانہ طور پر ترقی پانے لگی۔[۱۶]

مذکورہ بالا باب میں ملتانی زبان کے جغرافیے کا ذکر بھی کیا ہے۔ مصنف نے بتایا ہے کہ "ملتانی" کا لفظ زبان کے معنوں میں سب سے پہلے آئین اکبری میں استعمال ہوا ہے۔ اس زبان کو سرائیکی بھی کہا گیا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق رقم طراز ہیں:

> تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ وادی سندھ یعنی "ملتانی زبان کے علاقے" کی زبان کو جہاں ملتانی، جٹکی، ہندکو، جگدالی وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے، وہاں اسے سرائیکی کا نام بھی دیا گیا ہے۔ تحریر میں ملتانی کا لفظ زبان کے معنوں میں سب سے پہلے غالباً آئین اکبری میں استعمال ہوا ہے۔[۱۷]

فصل ششم کو "ملتانی زبان" کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس باب میں اس کے اصول و قواعد، ذخیرہ الفاظ، ادب اور شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملتانی زبان کو مختلف علاقائی ناموں سے پکارا جاتا رہا ہے، مثلاً ملتان اور اس کے گرد و نواح میں بولی جانے والی زبان "ملتانی"، بہاول پور کے علاقے میں اسے "بہاولپوری"، اُچ میں "اُچی"، بلوچ اور پشتو بولنے والی اقوام کے نزدیک "ہندکو"، ڈیرہ غازی خان کی بلوچی بولنے والوں کے نزدیک "جگدالی اور بغدالی"، مظفر گڑھ میں "جٹکی"، لاڑکے لوگوں کے لیے "سرائیکی اور سرائی" کے ناموں سے پکاری جاتی رہی۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کا کہنا ہے کہ اُردو زبان میں نہیں ملتے صرف چ کی آواز لہندا میں ہے ملتانی زبان کو دوسری زبانوں پر اس لیے فوقیت حاصل ہے کیوں کہ اس کے حروف تہجی کی تعداد زیادہ ہے، زیادہ آوازوں کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، لیکن ملتانی زبان کو اُردو پر بھی فوقیت

حاصل ہونی چاہیے کیوں کہ اس میں پانچ آوازیں اور ان کے حروف ایسے ہیں جو اُردو میں نہیں ہیں: وہ سرائیکی کی مخصوص آوازیں ٻ، ڄ، ݙ، ڳ، اور ݨ ہیں۔ جو سندھی کے سوا کسی زبان میں نہیں ملتے، صرف ڄ کی آواز لہندا میں ہے۔ ملتانی زبان کو دوسری زبانوں پر فوقیت حاصل کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ملتانی زبان دوسری زبانوں کے الفاظ کو مدغم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ غیر ملکی الفاظ پر اپنے اصول و قواعد لاگو کرتی ہے۔ ملتانی زبان کے ایسے ۱۶۲ ضرب المثال ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اپنے اس مقالے میں درج کیے ہیں، جو اس علاقے کے لوگوں کے طرزِ تمدن، معاشرت اور خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ ۵۹۳ محاورات اور ان کا مفہوم بھی دیا ہے جس طرح محاورات، ضرب المثال کسی ایک آدمی کی کاوش نہیں ہوتے بلکہ محاورات ضرب المثال بننے میں تہذیب و تمدن، معاشرت و خیالات کا عمل دخل ہوتا ہے، اسی طرح دعائیں بد دعائیں کسی ایک شخص کی ایجاد کردہ نہیں ہوتی بلکہ دعائیہ کلمات کا تعلق دل سے ہوتا ہے، جو زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ ملتانی زبان ایک میٹھی زبان ہے اس کی خاصیت ہے کہ اس کے دعائیہ کلمات میں مٹھاس بھری ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اس باب میں ۳۰ دعائیہ کلمات مع ترجمہ مثال کے طور پر پیش کیے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بد دعا کے کلمات بھی بہ طور مثال پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ مواضعات، قصبات، اشخاص، پیشوں کے نام اور اوزاروں کے نام بھی بتائے ہیں جو اپنے تاریخی ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کا کہنا ہے کہ ملتانی زبان کے الفاظ اتنے وسیع ہیں کہ اُردو زبان کو چاہیے کہ ان الفاظ کو اپنا لے۔ یہ اقدام دونوں زبانوں کے لیے اچھا ہوگا۔ لیکن ہمارے یہاں اُردو زبان کی حالت ایک ٹھہراؤ کی سی ہے۔ جو الفاظ محاورات لکھنؤ اور دلی کی ٹکسال میں پورے نہیں اترتے، وہ اُردو زبان سے خارج سمجھے جاتے ہیں، جب کہ زبان کے ارتقا کے لیے ضروری ہے کہ نئی چیزوں کو اپنایا جائے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ملتانی زبان کے ۳۲۵ خاص الفاظ کی فہرست پیش کی ہے جو فصیح اور ہلکے پھلکے ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ غیر ملکی لفظ استعمال کرنے سے بہتر یہ مقامی الفاظ ہیں جو مانوس تو ہیں۔ الفاظ کی اس فہرست کے بارے میں ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں:

> الفاظ کی یہ فہرست کسی طرح بھی جامع اور مانع نہیں، اس میں صرف ایسے الفاظ پیش کیے گئے ہیں جن کی بجائے اُردو میں غیر ملکی الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں یا جو افادیت کے لحاظ سے اُردو زبان میں داخل ہونے کے قابل ہیں اور اس وجہ سے دل چسپ

> ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض الفاظ دوسری ہند آریائی زبانوں میں بھی موجود ہوں، کیوں کہ ملتانی بھی تو آخر ہند آریائی زبان ہے۔ اگرچہ سیکڑوں سالوں تک دوسری زبانوں کا دودھ پیتی رہی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ الفاظ خاص ملتانی نہیں ہیں۔ جس طرح اُردو میں غیر ملکی الفاظ گھس پس کر اب اُردو بن گئے ہیں، اسی طرح یہ الفاظ اب خالص ملتانی کہلانے کے مستحق ہیں۔[۱۸]

فصل ہفتم میں ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ملانی زبان میں فارسی اور عربی کے الفاظ کے اثرات کی توضیح پیش کی ہے۔ ملتانی زبان نے فارسی اور عربی زبان کے بہت سے الفاظ کو اپنے اندر ضم کر لیا ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ۱۸۵ عربی اور فارسی الفاظ کی مختصر فہرست اس باب میں پیش کی ہے، جن الفاظ کو ملتانی زبان نے اپنے اندر سمو لیا ہے۔ عربی اور فارسی زبان کے الفاظ کا ملتانی زبان میں شامل ہونے سے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہوا ہے اور زبان کا ڈھانچا بھی تبدیل ہو گیا ہے۔ ملتانی زبان میں جو فاعلی لاحقے استعمال ہوتے ہیں، وہ بھی ایرانی، ترکی وجہ سے ہیں۔ اُردو اور ملتانی میں ترتیب الفاظ اور جملے کی ساخت کے لحاظ سے فرق نہیں ہے۔

فصل ہشتم میں ملتانی زبان کا تقابل سندھی، بلوچی، پنجابی اور دوسری ہمسایہ زبانوں سے کیا گیا ہے۔ ملتانی کی ماہیئت سے متعلق چند توضیحات اس باب میں پیش کی گئی ہیں۔ ملتانی اور سندھی کے ذخیرہ الفاظ میں ۹۰ فی صد ایسے الفاظ ہیں جو پنجابی، شاہ پوری لہندا میں نہیں ہیں، صرف سندھی اور ملتانی زبان میں ہیں۔ اشتراک ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر مہر عبدالحق نے رشتہ داروں کے نام، جانوروں کے نام، پرندوں، کیڑے مکوڑے، پانی کے متعلقات، اہل حرفہ کے نام، جسم کے حصوں کے نام، کھانے کی چیزوں کے نام اور متفرق نام، ملتانی، سندھی اور اُردو میں دیے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ملتانی اور سندھی میں مماثلت ہے جب کہ اُردو میں مختلف ہیں۔ ملتانی اور سندھی کے اختلافات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ۱۔ ملتانی کے اسما ”الف“ پر ختم ہوتے ہیں جب کہ سندھی کے ”و“ پر۔
> ۲۔ کچھ حروف (مثلاً حروف جار) دونوں میں مختلف ہیں۔
> ۳۔ افعال کی گردان دونوں زبانوں میں مختلف ہے۔[۱۹]

مذکورہ بالا باب میں ملتانی اور بلوچی زبان کے اشتراکات پیش کیے ہیں۔

۱۔ ملتانی اور بلوچی زبان کے ذخیرہ الفاظ میں اشتراک پایا جاتا ہے۔

۲۔ حرف استثنا "باجھ" ملتانی اور بلوچی دونوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے۔

۳۔ جمع کے طریقے دونوں میں یکساں ہیں۔

۴۔ دونوں زبانوں کے کچھ افعال و مصادر میں اشتراک ہے۔

ملتانی اور بلوچی کے اختلافات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں کہ "بلوچی ایرانی سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی گرامر فارسی گرامر سے اشتراک رکھتی ہے۔ افعال کی تعریف اور الفاظ کی ترتیب و نشست ملتانی کے قاعدے سے بالکل مختلف ہے۔"[۲۰]

ملتانی اور لہندا کی بولیوں میں اختلاف کی سب سے بڑی وجہ حروف تہجی کا اختلاف ہے۔ لہندا میں ملتانی کے چار خاص حروف تہجی (ٻ، ڄ، ݙ، ڳ) نہیں ہیں۔ لہندا کا مزاج پنجابی جب کہ ملتانی کا سندھی ہے۔

ملتانی زبان اور لہندائی بولیوں سے تقابلی مقالے کی مختلف اقسام کے نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ ان نمونوں کے آخر میں تقابل کرکے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اس باب میں ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ہیر وارث شاہ سے بھی اقتباسات پیش کیے ہیں۔ ان اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد پنجابی اور ملتانی کا فرق واضح کرتا ہے۔ ۱۲ اشعار پیش کیے ہیں اور لکھتے ہیں:

> شعر وادب کے لحاظ سے وارث شاہ کی ہیر کو بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ وارث شاہ ضلع شیخوپورہ کا رہنے والا تھا۔ مشہور روایات کے مطابق ہیر کا سال تصنیف ۱۱۸۰ھ ہے۔ پنجابی زبان کے علاقے کے مغربی حصے میں اس کا زیادہ چرچا ہے، اس میں فارسی اور عربی الفاظ کی کثرت ہے اور زبان با محاورہ ہے۔ اس زبان کو موجودہ یعنی جدید پنجابی کا نمونہ تصور کر لیا جائے تو بھی اس کا ملتانی سے مختلف ہونا ظاہر ہے۔[۲۱]

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے مذکورہ بالا باب میں ۱۱۹ (ایک سو انیس) منتخب الفاظ کا ایک چارٹ بھی پیش کیا ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے ابتدائی لوازمات دیے گئے ہیں اور قدیم فارسی سنس کرت، پراکرت سے لے کر پنجابی تک کے مرادفات دیے گئے ہیں۔

فصل نہم میں ملتانی کا قدیم لٹریچر پیش کرتے ہیں۔ نور نامہ (نظم) کی ہیئت پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر مہر عبدالحق کہتے ہیں کہ حافظ شیرانی اس نظم کو ۱۰۵۴ کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں جو ٹھیک نہیں لگتا۔

کیوں کہ ۷۰۰ ہجری کے لگ بھگ نمونے ملتے ہیں اور نور نامے کی زبان ان کی زبان سے قدیم لگتی ہے۔ یہ ۶۰۰ ہجری کا زمانہ ثابت ہوتا ہے۔ ۷۵۲ ہجری کے دو نمونے پیش کیے ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی کا فقرہ بہ طور نمونہ دیا ہے۔ حضرت جہانیہ جہاں گشت کا قول بہ طور نمونہ پیش کیا ہے۔ حضرت گنج شکر کے ملفوظات پر ایک قلمی نسخہ جس کے کاتب گل محمد شیروی ہیں، سے کچھ نمونے پیش کیے گئے ہیں:

ہتھڑیں وٹوں ہتھڑے پیراں وٹوں پیر
تساں نہ متیاں گاجراں اساں نہ مُتے بیر

> ہاتھوں کے بدلے ہاتھ ہیں اور پیروں کے بدلے پیر، آپ نے گاجریں نہ بھیجیں اور ہم نے بیر نہ بھیجے۔ اس شعر میں وٹوں (عوض)، متے (بھیجے) نیز اساں اور تساں خالص ملتانی الفاظ ہیں۔[۲۲]

زبان کی تاریخ کو پڑھنے کے لیے ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ۱۰۲۵ھ، ۱۰۳۳ھ، ۱۰۴۴، ۱۰۸۶ھ، ۱۱۰۴ھ اور ۱۱۴۰ھ کے کچھ نمونے پیش کیے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قدیم درسی رسائل بھی بہ طور نمونے پیش کیے ہیں۔ سیف الملوک لطف علی کے کلام کے نمونے پیش کیے ہیں جو ملتانی زبان کی شاعری کا بہترین نمونہ تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ لطف علی کے بعد عبدالحکیم اچوی کا کلام پیش کیا گیا ہے۔ عبدالحکیم کے کلام پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر مہر عبدالحق نتائج اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> عبدالحکیم کے کلام میں وہ خوبیاں نہیں جو ملتانی زبان کے دوسرے بلند پایہ شعرا مثلاً لطف علی یا خواجہ فرید وغیرہم کے کلام میں ہیں۔ عبدالحکیم کے جذبات خالص ہیں۔ ان کے شعر تصنع اور تکلف ظاہر کرتے ہیں۔ شعری خوبیاں بہت کم ہیں۔ تشبیہات معمولی اور فرسودہ ہیں۔ زبان عامیانہ ہے۔ خیالات پست ہیں اور کلام شیرنی سے خالی ہے۔[۲۳]

عبدالحکیم کے نصف صدی بعد کے مصنف گل محمد شیروی کے نمونہ کلام بھی پیش کیا ہے۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر مہر عبدالحق کہتے ہیں کہ ان کی زبان عبدالحکیم کی زبان کی نسبت زیادہ عالمانہ ہے اور زیادہ دل کش ہے۔ چند اور عوامی شعرا کا نمونہ کلام پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ملتانی زبان میں

شعر و شاعری کو بہت شہرت حاصل تھی۔ ان شعرا میں سے خوش دل، اللہ داد، بخشن، مولوی نور احمد، احمد یار، شاہد، شاعر، پر درد، علی حیدر گداز کے کلام کے نمونہ جات پیش کیے ہیں۔ ملتانی زبان کے ذخیرہ الفاظ اتنے وسیع ہیں کہ اصناف سخن سے بھری پڑی ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ملتانی زبان کا ذخیرہ ہر قسم کے اصناف سخن سے مملو ہے زل ملتانی زبان کی کافی ہے قصیدہ دار کہلاتا ہے اور ہجو سٹھ۔ رباعیاں بھی ہیں اور مثلث مربع یا مسدس بھی۔ مستزاد بھی ہیں اور ترجیع بند اور ترکیب بند بھی۔ دوہاجات کی تو اتنی کثرت ہے کہ شاید کوئی زبان اس کا مقابلہ کر سکے۔”[۲۴]

حضرت خواجہ غلام فرید مٹھن کوٹی کے کلام سے کافیوں کے نمونے پیش کیے ہیں۔ خواجہ غلام فرید کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مصنوعی تشبیہوں، استعاروں اور غیر ملکی ماحول سے اجتناب کرتے ہوئے مقامی اور اپنے گرد و پیش کے مناظر پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق خواجہ غلام فرید کی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> خواجہ صاحب کے کلام میں یہ چیز بدرجۂ اتم موجود ہے۔ زبان کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ خواجہ صاحب منفرد ہیں۔ آپ الفاظ نہ صرف موقع اور محل کے مطابق استعمال کرتے ہیں بلکہ اس قدر فصیح اور ٹھیٹھ ملتانی الفاظ لاتے ہیں کہ کلام کی دل کشی دوبالا ہو جاتی ہے۔[۲۵]

خواجہ فرید کی زبان کے ٹھیٹ ملتانی الفاظ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر مہر عبدالحق کا خیال ہے کہ وہ الفاظ جنھیں خواجہ غلام فرید نے اپنے کلام میں استعمال کیا ہے، نہ صرف دیہاتی زندگی کی جان ہیں بلکہ فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے انمول ہیں۔ باب کے آخر میں ڈاکٹر مہر عبدالحق ملتانی زبان کی ادبی حیثیت کا تعین کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ملتانی زبان ادبی زبان ہونے کی وجہ سے الگ مقام رکھتی ہے۔ کسی بھی طرح دوسری ہند آریائی زبان سے پیچھے نہیں۔ ادب کی تمام اصناف پر اس زبان میں طبع آزمائی ہوئی ہے۔ ملتانی زبان میں ادب پیدا کرنے دوسری زبانوں کو اپنے اندر ضم کرنے کی طاقت زیادہ ہے۔

باب دہم میں ڈاکٹر مہر عبدالحق ملتانی زبان کی قواعد پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے

مولوی عبدالحق کی کتاب قواعد اُردو کی پیروی کرتے ہوئے مضامین کی ترتیب اور اصطلاحات استعمال کی ہیں، جس کا اعتراف بھی انھوں نے کیا ہے۔ ملتانی زبان کی گرامر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ملتانی زبان گرامر کی غیر ضروری پیچیدگیوں سے خالی ہے اور چوں کہ مقررہ قوانین کی سختی سے پابندی کرتی ہے، اس لیے سادہ اور آسان ہے، ہندی الاصل ہونے کے باوجود یہ سنس کرت، ہندی، پنجابی یا برج بھاشا وغیرہ اور وسط ہند کی زبانوں کے اصول و قواعد بہت کم استعمال کرتی ہے اور غیر ہند کے الفاظ کو اپنے اندر سمو لینے اور انھیں اپنی ضرورت کے مطابق ڈھال لینے میں بخل نہیں کرتی۔[۲۶]

گیارھویں فصل میں ملتانی زبان اور اُردو کے درمیان تعلق پر بحث کی گئی ہے۔ زبان ایک شخص کی ملکیت نہیں ہوتی، نہ مخصوص علاقے کی اجارہ داری سے پنپتی ہے، وہ الفاظ جنھیں قبولِ عام کی سند ملتی ہے وہ زبان کا حصہ غیر محسوس طریقے سے بناتے جاتے ہیں۔ زبان کے اندر تبدیلی کی رفتار بہت سست ہوتی، اس کے تبدیل ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے بیان کیا کہ لفظ ”زبان“ کو قدیم ایرانی میں ”ازوام“ اوستا میں بزو، پہلوی میں ازدوان اور زوان، فارسی میں زبان، بلوچی میں زبان، شینا میں زیب کی بجائے جیب، سنس کرت میں جبوا، پراکرت پر جبھا، ملتا میں جبھ کہتے ہیں۔ کسی شخص کے لیے یہ بہت مشکل ہوگا کہ ایک لفظ کتنی صدیوں تک ایک شکل میں رائج رہا۔ کب اس نے ہیت بدلی، پھر دوسرے، تیسرے اور آخری قالب تک پہنچا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں:

> ان حالات میں کسی زبان کو کسی دوسری زبان کی ماں، سوتیلی ماں خالہ، نانی یا بیٹی، سوتیلی بیٹی اور بہن کہنا درست نہیں۔ کیوں کہ اس سے ایسی دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں جن پر عبور پانا ناممکن ہو جاتا ہے اور ماں بیٹی کا سلسلہ ایک دفعہ چل نکلے تو وہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔[۲۷]

ملتانی اور اُردو کا پہلا تعلق یہ ہے کہ جن حالات اور عوامل کے ماتحت اُردو معرض وجود میں آئی انھی حالات کے زیرِ اثر ملتانی نے جنم لیا۔ علامہ شیرانی کے خیال میں اُردو اپنی صرف و نحو میں ملتانی زبان کے بہت قریب ہے۔ دونوں کے اسما افعال کے آخر میں الف آتا ہے۔ باب ہذا میں ڈاکٹر مہر عبدالحق برج کے

علاقے کی بولیوں کے نمونے پیش کرتے ہیں، جو تقابلی مطالعہ میں آسانی کا سبب بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہریانی، میواتی، اُردو اور ملتانی کے کچھ فقرے پہلو بہ پہلو درج کیے تاکہ اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ اُردو ملتانی سے زیادہ قریب ہے یا ہریانی میواتی کے۔ باب کے آخر میں نتیجہ اخذ کیا کہ اُردو بہ لحاظ اصول قواعد یعنی اسما با فعال اور صفات کی تعریف، افعال کی گردان اور صیغوں بناوٹ ملتانی سے قریب ہے اور میواتی ہریانی سے دور ہے۔

بارھویں فصل میں امیر خسرو کے کلام میں ملتانی الفاظ و تراکیب کو خط کشیدہ الفاظ سے واضح کیا گیا ہے۔ بھگت کبیر کے کلام سے جو نمونے پیش کیے ہیں، ان سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ملتانی کا اُردو زبان سے تعلق ہے۔ گورونانک صاحب کے کلام ہندی آمیز پنجابی ہے تاہم ملتانی الفاظ و تراکیب سے خالی نہیں۔ میر جعفر زٹلی کے کلام میں ملتانی الفاظ پائے جاتے ہیں۔ محمد افضل جھنجانوی، عبداللہ، قطب شاہ، شیخ جنید، مخدوم امین دکنی، قدیم دکنی، سلطان قلی قطب شاہ، ظل اللہ، وجہی، گوامی، جنیدی، امین، غلام علی، ابراہیم عادل شاہ، ولی عادل شاہ ثانی، شاہ میراں جی شمس العشاق، خوشنود، نصرتی، شاہ ملک، لطیف کے کلام سے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ ولی دکنی کے کلام سے ملتانی اور اُردوئے قدیم کے مشترکہ الفاظ و تراکیب پیش کیے ہیں۔ دہلوی زبان بھی ملتانی زبان کے الفاظ و تراکیب سے خالی نہیں۔ میر اور سودا تک کے زمانے کے شعرا جن میں مبارک شاہ آبرو، مرزا جان مظہر، میاں سعادت علی، محمد شاکر ناجی، مرزا رفیع سودا، مخدوم یار خاکسار، محمد فقیر درد مند، محمد قائم، میر تقی میر کے منتخب اشعار پیش کیے ہیں اور ملتانی اور اُردو زبان کے ساتھ تعلق ظاہر کرنے کے لیے الفاظ خط کشیدہ بھی کیے ہیں۔ سید انشا کی دریائے لطافت کے مقرر کردہ اصول کے کچھ نمونے پیش کیے ہیں۔ جن سے ملتانی اور اُردو کے تعلق کے داخلی شواہد کی تکمیل ہوتی ہے۔

تیرھویں فصل میں ملتانی اور اُردو کے اصول و قواعد کا تقابلی مطالعہ کرکے مشترکہ اور مختلف امور کی وضاحت کی گئی ہے۔ اُردو زبان کا مصدر "نا" پر ختم ہوتا ہے۔ ملتانی زبان کا مصدر "ن" پر ختم ہوتا ہے۔ باب کے آخر میں نتیجہ اخذ کرتے ہوئے ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں:

> اختلافات کے باوجود جس قدر اشتراک ملتان اور اُردو کا ہے اور کسی زبان کا نہیں اور علامہ شیرانی کے اس قول میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ "اُردو اپنی صرف و نحو میں ملتانی زبان کے بہت قریب ہے"۔[۲۸]

چودھویں فصل میں کچھ ایسے الفاظ پیش کیے گئے ہیں جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ دونوں زبانوں کے ذخیرہ الفاظ ایک ہی قسم کے الفاظ پر مبنی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں زبانوں ”اُردو اور ملتانی“ کے معرض وجود میں آنے کے لیے ایک جیسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ دونوں زبانوں میں معمولی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اصول و قواعد میں اشتراک کے باوجود دونوں زبانوں کے ذخیرہ الفاظ ایک ہی قسم کے الفاظ پر مشتمل ہے۔ ”اُردو“ یا ”ہندی“ یا ”ملتانی“ کے الفاظ کے ساتھ معنی بھی دیے گئے ہیں۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ ملتانی اور اُردو زبان کے ذخیرہ الفاظ کے سرچشمے ایک سے ہیں۔ ملتانی زبان کے الفاظ زیادہ صاف اور سادہ ہیں۔ معنی میں وسعت اور لطافت ان کا خاصہ ہے۔ پندرھویں باب میں ملتانی زبان کی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے علامہ شیرانی، سید سلیمان ندوی اور پیر راشدی کے مختلف نظریات اور آرا پیش کیے ہیں۔ علامہ شیرانی کے مطابق اُردو بھاج بھاشا سے نہیں نکلی، یہ برج کی بیٹی ہے اور اس کے دودھ سے اس کی پرورش ہوئی۔ سید سلیمان ندوی کی رائے میں سندھی، پنجابی اور ملتانی آپس میں ملتی جلتی ہے۔ یہ تینوں بولیاں اُردو کی بگڑی ہوئی شکلیں نہیں ہیں بلکہ موجودہ اردو اِن بولیوں کی ترقی یافتہ اور اصلاح شدہ شکل ہے۔ علامہ شیرانی کے نظریے سے اختلاف اور اتفاق کے پیش نظر ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں:

> ہمیں نظریہ شیرانی سے اختلاف بھی ہے اور اتفاق بھی۔ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے ”عربوں کے بعد شمال کی جانب سے مسلمان حملہ آوروں نے سب سے پہلے پنجاب کو اپنا مرکز بنایا“ کی بنا پر تحقیق کی ہے اور اس سے پیشتر تین سوا تین سو سال کی تاریخ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں وادی سندھ میں عربوں اور سندھیوں کے اختلاط سے ایک نئی زبان عالم وجود میں آئی۔ ہمارا آپ کے نظریے سے اتفاق ان امور میں ہے جو آپ نے اپنے مقالے کی تاریخی اور لسانی پہلو پر بحث کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اُردو زبان کسی زبان کی نہ بگڑی ہوئی صورت ہے اور نہ کسی زبان کی پیداوار ہے۔ اس میں جدید ہند آریائی زبانوں میں سے تقریباً ایک کی خصوصیت پائی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہر شخص اس زبان کو اپنی زبان سمجھ رہا ہے۔[۲۹]

اس تحقیق کو ڈاکٹر مہر عبدالحق نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ ۱۰ فصلوں پر مشتمل

ہے، جس میں ملتانی زبان کا دوسری ہمسایہ زبانوں کے ساتھ تقابل پیش کیا ہے۔ دوسرا حصہ پانچ فصلوں پر مشتمل ہے، یہ حصہ ملتانی کا اُردو زبان سے تعلق کو پیش کرتا ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق اُردو اور ملتانی زبان کی حقیقت کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پراکرتیں سنس کرت سے نہیں نکلیں، نہ ہی یہ سنس کرت کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ملتانی زبان لہندا کی شاخ یا بولی نہیں، جس طرح لہندا پنجابی کی شاخ نہیں۔ لسانی اعتبار سے لہندا کا رجحان پنجابی کی طرف اور ملتانی کا سندھی کی طرف ہے۔ اُردو زبان برج بھاشا سے نہیں نکلی۔ اس بات کے قائل نہیں کہ ملتانی اُردو کی ماں ہے یا اُردو ملتانی سے نکلی ہے۔ فصل دہم میں گرامر کے باب میں جو مضامین کی ترتیب اور اصطلاحات پیش کی گئی ہیں۔ وہ مولوی عبدالحق کی کتاب قواعد اُردو سے لی گئی ہے۔

ہر فصل کے آخر میں بحث کرنے کے بعد حقائق سامنے رکھنے کے بعد خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے جھوٹ اور کذب سے اجتناب کیا ہے۔ اُردو زبان کی تحقیر یا ملتانی کی توقیر تحقیق کا مقصد نہیں تھا۔ غیر جانب داری سے کام لے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ملتانی زبان جدید زبانوں میں سب سے قدیم زبان ہے اور مستقل حیثیت کی مالک ہے اور ملتانی زبان مغربی پنجابی یا لہندا کی ایک بولی نہیں ہے، اس کا علیحدہ مقام ہے۔ ملتانی زبان کا اشتراک سندھی سے ہے، پنجابی سے نہیں ہے۔

حواشی

۱۔ وارث سرہندی، زبان و بیان (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء)، ۸۶۔

۲۔ پروفیسر ممتاز حسین، ادب اور شعور (کراچی: ادارہ نقد و ادب، ۱۹۹۲ء)، ۱۹۷۔

۳۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ”قومی زبان و ادب کی ترقی میں بلوچستان کا حصہ“، مشمولہ: قومی زبان کی ترقی میں صوبوں کا حصہ، مرتبہ: اعجاز راہی (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ۳۹۔

۴۔ عبدالمجید میمن، لسانیات پاکستان (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء)، ۳۷۱۔

۵۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخِ ادب اُردو (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۵ء)، ۷۰۳۔

۶۔ ڈاکٹر وحید قریشی، پاکستانی قومیت کی تشکیل ِنو (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء)، ۱۲۲۔

۷۔ ڈاکٹر حیدر سندھی، سندھی زبان و ادب کی تاریخ (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء)، ۵۶۔

۸۔ مہر عبدالحق لیہ شہر کے محلّہ اندر کوٹ میں یکم جون ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق سمرا خاندان سے تھا۔ ۱۹۳۰ء میں میٹرک، ۱۹۳۲ء میں ایس سی کالج بہاول پور سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۵ء میں ایمرسن کالج ملتان سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۰ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے اُردو کا امتحان

پاس کیا۔ ۱۹۵۷ء میں انھیں مقالہ بہ عنوان ”ملتانی زبان اور اُس کا اُردو سے تعلق“ پر پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔ تدریسی زندگی کا آغاز گورنمنٹ ہائی سکول جام پور سے کیا۔ ۱۹۷۰ء میں ملتان ریڈیو اسٹیشن کا پہلا سکرپٹ انھوں نے ہی پڑھا۔ ۱۹۵۴ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف لندن کے ممبر بنے۔ ۱۹۹۵ء میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں قرآن حکیم کا پہلا سرائیکی ترجمہ، سیرت نبویؐ، سورۃ فاتحہ کی سرائیکی تفسیر، رباعیات عمر خیام، قصیدہ بردہ شریف کا فارسی، سرائیکی، اُردو میں منظوم اور انگریزی منثور ترجمہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق، ملتانی زبان اور اُس کا اُردو سے تعلق (بہاول پور: اُردو اکادمی، ۱۹۶۷ء)، ۵۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۶۔
۱۰۔ ایضاً، ص ۲۴۔
۱۱۔ ایضاً، ص ۲۷۔
۱۲۔ ایضاً، ص ۶۰۔
۱۳۔ ایضاً، ص ۶۹۔
۱۴۔ ایضاً، ص ۸۷۔
۱۵۔ ایضاً، ص ۱۰۸۔
۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱۵۔
۱۷۔ ایضاً، ص ۲۱۸۔
۱۸۔ ایضاً، ص ۲۸۱۔
۱۹۔ ایضاً، ص ۲۸۱۔
۲۰۔ ایضاً، ص ۳۰۹۔
۲۱۔ ایضاً، ص ۳۳۸۔
۲۲۔ ایضاً، ص ۳۵۵۔
۲۳۔ ایضاً، ص ۳۷۸۔
۲۴۔ ایضاً، ص ۴۰۲۔
۲۵۔ ایضاً، ص ۴۱۵۔
۲۶۔ ایضاً، ص ۴۶۰۔
۲۷۔ ایضاً، ص ۴۹۶۔
۲۸۔ ایضاً، ص ۵۲۱۔
۲۹۔ ایضاً، ص ۶۶۰۔